اسلام میں حلال وحرام کا تصوّر

از

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ: عبدالحمید صدیقی

حلال، وہ جائز امر ہے جس سے خطرے اور اندیشے کا کوئی امکان نہ ہو اور جس کے کرنے کی شارع نے اجازت دی ہو۔

حرام، وہ امر جس کے کرنے سے شارع نے اتنی سختی سے منع کر دیا ہو کہ شارع کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے آخرت میں عذابِ الٰہی سے دوچار ہونا پڑے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اُسے دنیا میں بھی شرعی سزا سے سابقہ پیش آجائے۔

مکروہ، جب شارع نے کسی چیز سے منع تو کیا ہو مگر اُس کے منع کرنے میں کوئی شدت روا نہ رکھی ہو تو اُس چیز کو مکروہ کہتے ہیں۔ یہ درجے میں حرام سے کم ہے۔ اور اس کے مرتکب کے لیے حرام کے مرتکب جیسی سزا نہیں۔ مگر اگر کوئی مکروہات کے ارتکاب پر اصرار کرے اور اکثر و بیشتر اس سے مکروہ افعال سرزد ہوتے رہیں تو مکروہات کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرتکب کو حرام کے ارتکاب پر دلیر کر دیتے ہیں۔

حلال وحرام میں اسلام کے اصول و مبادی | حلال وحرام کا معاملہ بھی منجملہ اُن امور کے ہے جن میں اہلِ جاہلیت نے کافی حد تک گمراہی و کجروی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ اتنے پریشانی اور اُلجھن میں پڑے کہ حرام اور ناپاک کو حلال کر دیا اور حلال اور پاکیزہ کو حرام قرار دیا۔ اس میں بُت پرست اور اہلِ کتاب سب برابر ہیں۔ یہ گمراہی جس طرح انحراف اور حدِ اعتدال سے تجاوز کی صورت میں دائیں طرف اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اسی طرح بائیں طرف بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

دائیں طرف ہم سنگدلانہ ہندو برہمنیت اور بے لگام مسیحی رہبانیت وغیرہ ایسے مذاہب کو دیکھتے

ہیں جن کی بنیاد سزائے جسمانی، رزقِ حلال کو اپنے اُوپر حرام کر لینے اور اللہ نے جو زیب و زینت اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اس سے اجتناب و انحراف پر ہے۔ اور قرونِ وسطیٰ میں مسیحی رہبانیت بے اعتدالی کے اوج پر پہنچ گئی تھی۔ اور ہزاروں راہبوں نے پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے میں نہایت سخت رویہ اختیار کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ اُن میں سے بعض نے پاؤں کو دھونے کو گناہ کہا اور حمام میں داخل ہونے کو باعثِ حُزن و حسرت قرار دے دیا تھا۔

بائیں طرف ہم مذہبِ مزدک کو دیکھتے ہیں جس کا ظہور سرزمینِ فارس میں ہوا۔ یہ مذہب مطلق اباحیت کا قائل ہے اور اپنے پیروکاروں کو بالکل بے لگام چھوڑ دیتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قبضہ کر سکتے ہیں اور اُسے اپنے لیے مُباح سمجھ سکتے ہیں حتیٰ کہ لوگوں کی عزت و آبرو اور ہر وہ چیز جسے لوگ فطری طور پر مقدس اور قابلِ حفاظت سمجھتے ہیں، اس مذہب کے پیروکاروں کے نزدیک جائز و مباح ہے۔

اشیاء و اعمال کے حرام و حلال کے معیار و مقیاس میں بدنظمی کی ایک واضح مثال دورِ جاہلیت کی قومِ عرب ہے۔ انہوں نے شراب خوری، سُود در سُود خوری، عورتوں کی ایذا رسانی اور اُن کو نکاح سے روکنے وغیرہ کو مباح و جائز سمجھ رکھا تھا۔ مزید برآں شیاطینِ جن و انس نے اُن میں سے بیشتر کے لیے اپنی اولاد اور جگر گوشوں کو قتل کر دینے کے عمل کو خوب مزین کر کے پیش کیا۔ چنانچہ انہوں نے اُن کی اطاعت کی اور اپنے سینوں میں موجزن سارے پدری جذبات کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ (انعام: ۱۳۷)

اور ایسے ہی زینت دی بہت سے مشرکین کے لیے قتل کرنے کو اپنی اولاد کے اُن کے شریکوں نے تاکہ وہ انہیں ہلاک کر دیں اور کر خلط ملط کر دیں ان پر اُن کے دین کو۔

ان شرکاء نے جو خادمانِ اصنام کہلاتے تھے، والدین کے لیے اپنی اولاد کے قتل کو زینت دینے کے بہت سے طریقے اختیار کیے۔ کسی کو تنگ دستی و غربت کا خوف دلایا۔ کسی کے ہاں اگر لڑکی پیدا ہو گئی تو اُسے خوفِ رسوائی اور شماتتِ اعداء سے دوچار ہونے کا خیال دلا دیا۔ کسی سے کہا کہ اگر تم دیوتاؤں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی اولاد کو اُن کی بھینٹ چڑھاؤ۔

تعجب ہے کہ جن لوگوں نے اولاد کو ذبح اور زندہ درگور کرنے کو مباح ٹھہرایا، انہوں نے خود اپنے

اُوپر بہت سی پاکیزہ چیزوں کو حرام کر لیا اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس فعل کو احکامِ دین کا ایک حصہ قرار دے کر اس کی نسبت خدائے بزرگ و برتر سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس جھوٹی نسبت کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وقالوا هٰذه انعام وحرث حجر لا يطعمها الا من نشاء بزعمهم وانعام حرمت ظهورها وانعام لا يذكرون اسم الله عليها افتراء عليه سيجزيهم بما كانوا يَفْتَرُوْنَ۔ (انعام: ۱۳۸)

وہ کہتے ہیں یہ جانور اور کھیت محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں حالانکہ یہ پابندی اُن کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور باربرداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افتراء کیا ہے۔ عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔

قرآن مجید میں اُن لوگوں کی گمراہی وضلالت کو یُوں واضح طور پر بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام قرار دیا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ (انعام: ۱۴۰)

یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افترا پردازی کر کے حرام ٹھیرا لیا۔ یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہِ راست پانے والوں میں سے نہ تھے۔

جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو اُس وقت حلال وحرام کے معاملے میں یہ ضلالت وگمراہی موجود تھی۔ اس نے زندگی کے اس اہم پہلو کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ قانون سازی کے جملہ بنیادی اصول وضع کیے جن کی روشنی میں حرام وحلال کے اصول ومبادی متعین کیے گئے۔ چنانچہ معاملات میں دُشواری پیدا ہو گئی۔ عدل وانصاف اور حرام وحلال کے معاملے میں توازن قائم ہو گیا۔ یُوں مسلمان گمراہوں اور بدراہوں کے درمیان "اُمتِ وسط" بن گئے۔ اللہ تعالیٰ جس نے مسلمان قوم کو اُمتِ وسط بنایا ہے، اس اُمت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ اُمت وہ بہترین اُمت ہے جسے لوگوں دکی ہدایت و

تبلیغ حق) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اشیاء کی حلت و حرمت کی بنیاد اباحت ہے [1] حلال و حرام کے بارے میں اسلام نے سب سے پہلے جو اُصول اور قاعدہ مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء اور منافع پیدا کیے ہیں اُن کی حلت و حرمت کی بنیاد اباحت ہے۔ کسی چیز کو اُس وقت تک حرام نہیں کہا جا سکتا جب تک شارع کی طرف اس کے حرام ہونے کے متعلق کوئی نصِ صریح وارد نہ ہو۔ اگر کوئی نصِ صحیح نہ ہو جیسا کہ ضعیف احادیث ہوتی ہیں یا وہ کسی چیز کے حرام ہونے کے بارے میں صراحت نہ کرتی ہو تو وہ شریعت کی رُو سے مُباح اور حلال ہوگی۔

اشیاء و منافع کی بنیاد اباحت ہے، اس کے لیے علمائے اسلام نے قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ - ۲۹)
وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ (جاثیہ: ۱۳)
اس نے زمین و آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً۔ (لقمان: ۲۰)
کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ ان چیزوں کو پیدا کرے اور انہیں انسان کے لیے مسخر کر کے اُس پر احسان کرے پھر انہیں حرام کر کے انسان کو اُن کے فوائد و منافع سے محروم کر دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُن چیزوں کو انسان کے لیے پیدا کیا ہے اور اُسی کے لیے ان کو مسخر کیا ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا انعام بھی اُسی پر کیا ہے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اُس نے ان چیزوں کے بعض جزئیات کو کسی سبب اور حکمت کی بنا پر جو انسان پر حرام کر دیا ہے۔ جن کا ذکر آگے آئے گا۔

حدیث میں وارد ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام فرمایا ہے وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے وہ عفوِ الٰہی ہے لہٰذا تم اللہ کی

[1] شریعت کا کسی چیز کو جائز قرار دینا۔

طرف سے چھوٹ کو قبول کرو۔ کیونکہ اللہ ایسا نہیں کہ کچھ بھول جائے، پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی
وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (سورۃ مریم)[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے۔ اور جس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا وہ اللہ کی چھوٹ ہے"[2] آپؐ نے سوال کرنے والوں کو ان جزئیات کے بارے میں کوئی جواب نہ دینا چاہا بلکہ انہیں ایک ایسے قاعدے کی نشاندہی کر دی جس کی طرف وہ حلال و حرام معلوم کرنے کے لیے رجوع کر سکیں۔ ان کو اتنا ہی جان لینا کافی تھا کہ اللہ رب العزت نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب چیزیں حلال اور پاکیزہ ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ کچھ فرائض ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام کی ہیں انہیں حلال نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں جان بوجھ کر محض اپنی رحمت کے تقاضے سے خاموشی اختیار کی ہے۔ تم انہیں نہ کریدو۔"[3]

میں یہاں اس بات سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ اباحت صرف اشیاء و اشخاص تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ افعال و اعمال بھی اس میں شامل ہیں جو امورِ عبادت سے نہیں اور جنہیں معمولاتِ حیات یا معاملاتِ زندگی سے موسوم کرتے ہیں۔ ان افعال و اعمال میں سے سوائے ان کے جنہیں شارع نے حرام قرار دے کر ان کے ترک کر دینے کا حکم دیا ہو کسی فعل و عمل پر کوئی پابندی نہیں اور نہ اُسے حرام کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (اللہ نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں وہ الگ الگ کر کے بیان کر دی ہیں)، سب اشیاء و افعال کے بارے میں ہے۔

یہ اُن عبادات سے مختلف ہیں جو احکامِ دین میں سے ہیں اور جن کا منبع صرف وحیِ الٰہی ہے۔ انہی امورِ عبادت کے متعلق صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے امور (امورِ عبادت) میں کسی نئی چیز کو شامل کیا اس کا یہ عمل ناقابلِ قبول ہو گا[4]۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین کی حقیقت مندرجہ ذیل دو امور میں منحصر ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ [2] ترمذی اور ابنِ ماجہ [3] دارقطنی [4] متفق علیہ

۱۔ صرف اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جائے۔

۲۔ اور عبادت کا جو طریقہ اُس نے بتایا ہو اس کے مطابق اس کی عبادت کی جائے۔

لہٰذا اگر کوئی بھی شخص عبادت کا کوئی طریقہ اپنی طرف سے ایجاد کرے تو وہ ضلالت و گمراہی کی جو تی کے سر پہ ماردی جائے گی کیونکہ صرف شارع ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عبادت کے وہ طریقے متعین کرے جنہیں اختیار کرکے اُس کا قرُب حاصل کیا جاسکتا ہو۔

جہاں تک معمولاتِ حیات یا معاملاتِ زندگی کا تعلق ہے تو اُن میں شارع نے کوئی خاص طرزِ عمل اختیار کرنے کو نہیں کہا بلکہ لوگ خود اپنے معاملاتِ زندگی میں کوئی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور شارع ان کے طرزِ عمل کو شائستہ بنا کر صحیح رستے پر ڈال دیتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی خاص طرزِ عمل کا تعین بھی کر دیتا ہے اگر فتنہ وفساد اور نقصان کا احتمال نہ ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "اقوال و افعال میں بندگانِ خدا جو طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں: ایک عبادات جن سے اُن کا دین سنورتا ہے۔ دوسرے وہ عادات و معمولات جو انہیں دنیادی امور میں اپنانے پڑتے ہیں۔ اگر شریعت کے اصولوں کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات جو اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں یا جنہیں اس نے پسند فرمایا ہے اُن کا حکم صرف شریعت ہی میں ثابت و وارد ہے اور عادات و معمولات وہ اعمال و افعال ہیں جنہیں لوگ اپنی دنیاوی ضروریات کے تحت اپنا لیتے ہیں۔ ان کے حرام و حلال ہونے کے بارے میں بنیادی حیثیت اس بات کو حاصل ہو گی کہ اگر خداوند تعالیٰ نے کسی خاص فعل یا طرزِ عمل سے منع کیا ہو تو وہ حرام ہے ورنہ حلال اور مباح۔ اور عبادات کے متعلق لازمی طور پر اللہ وحدہٗ لا شریک کا حکم ہوگا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ فلاں فلاں کام سے اللہ نے رُکنے کا حکم دیا ہے اس کے بارے میں کیسے یہ فیصلہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ منع ہے۔

اسی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر فقہائے اہلِ حدیث کہتے ہیں، عبادات کی اصل بُنیاد "توقیف" پر ہے صرف وہی عبادات اور طریقہائے عبادت شریعت کا حصہ قرار پائیں گے جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے شریعت کہا ہو ورنہ ہم مندرجہ ذیل فرمانِ الٰہی کی زد میں آجائیں گے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ	کیا اُن کے لیے اور شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا اُن کے لیے
مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ۔ (شوریٰ: ۲۱)	وہ دین جس کا نہیں حکم دیا اللہ نے۔

عادات و معمولاتِ زندگی کے حرام و حلال میں بنیادی حیثیت عفوِالٰہی کو حاصل ہوگی۔ صرف وہی افعال و اشیاء منع ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہو ورنہ ہم اس فرمانِ خداوندی کی زد میں آجائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ — کہہ دیجیے دیکھو تو جو نازل کیا اللہ نے تمہارے لیے رزق۔
فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (یونس: ۵۹) — تم نے بنا دیا اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال۔

یہ ایک مفید و عظیم قاعدہ ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہم کہتے ہیں:

بیع و شریٰ، ہبہ اور اجارہ وغیرہ زندگی کے وہ معمولات ہیں جن کی لوگوں کو اپنے معاش یعنی خورونوش اور لباس میں ضرورت ہوتی ہے۔ شریعت ان معمولات کو مختلف آداب کا پابند بناتی ہے اور ان میں سے جو باعثِ فتنہ و فساد ہو اسے حرام کر دیتی ہے اور کچھ لازمی امور فرض کرتی ہے اور بعض باتوں کو مکروہ قرار دیتی ہے اور ان معمولات کی قسموں اور ان کی مقادیر میں جو ترجیحی طور پر مفید ہوں انہیں مستحب ٹھیراتی ہے۔ چنانچہ لوگ جس طرح چاہتے ہیں ایک دوسرے سے بیع و شرا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو مزدوری پر رکھتے رکھواتے ہیں جب تک کہ شریعت انہیں حرام نہیں کر دیتی۔ اسی طرح جب شریعت کسی چیز کو حرام نہ کر دے لوگ اپنے حسبِ منشا کھاتے پیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض چیزیں مستحب یا مکروہ ہو سکتی ہیں۔ اور جب تک اس سلسلے میں شریعت کوئی حد مقرر نہ کر دے لوگ اُسی عمومی قاعدے پر عمل کرتے رہیں گے۔[۱]

مختلف اشیاء و اعمال کی اباحت کے متعلق مذکورہ بنیادی قاعدے کی طرف وہ صحیح حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم عزل کرتے تھے درآنحالیکہ قرآن نازل ہو رہا تھا، اگر یہ کوئی ایسا فعل ہوتا جس سے منع کر دیا گیا ہے تو قرآن مجید میں ضرور اس کے منع کا حکم آتا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن امور و افعال کے بارے میں وحی الٰہی خاموش ہے وہ بالکل منع نہیں اور وہ حلال ہی رہتے ہیں جب تک کہ اُن سے روکنے اور منع کرنے کے بارے میں کوئی قطعی اور صریح نص وارد (باقی صفحہ ۳۰۳ پر)

---

[۱] ماخوذ از القواعد النورانیہ الفقہیہ تالیف ابن تیمیہ ص ۱۱۲، ۱۱۳۔ اسی قاعدے کی بنیاد پر ابن تیمیہ، اُن کے شاگرد رشید ابنِ قیم اور حنبلی فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ عقود (معاہدے)، و مشروط (باہمی رضامندی کے معاملات) میں کوئی پابندی نہیں جب تک کہ کسی معاہدے کے حرام ہونے کے متعلق خاص طور پر کوئی نص وارد نہ ہو اور جس میں کوئی حرام شدہ بات شامل نہ ہو وہ حلال ہے۔

(بقیہ: اِسلام میں حلال وحرام کا تصوّر)

نہ ہو۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فقیہانہ کمال کا ایک نمونہ ہے۔ اسی سے یہ عظیم و مفید قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ کوئی عبادت شرعی طور پر جائز نہیں ہو سکتی جب تک اللہ تعالیٰ نے خود اُسے شریعت قرار نہ دیا ہو اور معمولاتِ زندگی میں سے کسی کو حرام نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے اُسے حرام نہ کہہ دیا ہو۔